سائرہ بتول*

وزیر آغا کا انشائی اسلوب

اردو ادب میں انشائیہ اگرچہ دوسری اصنافِ ادب کی طرح یورپ سے آیا اور نظم اور ناول کی طرح اُسے یہاں کی بوباس اور رنگ و پیکر میں ڈھلنا پڑا لیکن اگر انشائیہ اپنی زمین کے ثقافتی مزاج اور زبان سے آشنا نہ ہوتا تو اس کا اسلوب اور انداز بدیسی ہی رہتا۔ اُسے یہاں کے اہلِ فکر و نظر سے مانوس ہوتے ایک مدت گذر جاتی۔ اس کی اجنبیت کا یہ عالم ہو سکتا تھا جو ابتدا ہی میں اس کی موت کا سبب بن جاتا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انشائیہ ایک ایسے پودے کی طرح ہے جو دوسری فضا میں آ کر زیادہ قوت اور نمو کا حامل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انشائیہ برصغیر میں خوب پھلنے پھولنے لگا۔ اس کے یوں ثمر دار ہونے میں جن ہاتھوں کی محنت شامل ہے ان میں وزیر آغا کا نام سرفہرست ہے۔ وزیر آغا نے اردو انشائیہ کو اپنے ثقافتی مزاج اور مشرقی آہنگ سے یوں آشنا کیا کہ پاکستان میں اس کی مقبولیت کا سلسلہ روز افزوں ہوتا چلا گیا۔

وزیر آغا اور اُردو انشائیہ ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر وابستگی اختیار کر چکے ہیں کہ ایک کے ذکر کے بغیر دوسرے کا ذکر ادھورا معلوم ہوتا ہے۔ وہ پہلے لکھنے والے ہیں جنھوں نے ایک واضح تصور اور خیال کے ساتھ انشائیے کے فروغ، اس کی صورت گری اور سمت نمائی میں سب سے زیادہ خدمات سرانجام دیں۔ انھوں نے انشائیے کے خدوخال متعین کرنے، اُسے سنجیدہ اور طنزیہ و مزاحیہ مضامین کی حدود سے الگ کرنے اور اردو ادب میں علاحدہ صنفِ ادب کی حیثیت سے متعارف کروانے کے لیے نہ صرف خود انشائیہ لکھا بلکہ انشائیے پر

تنقیدی مضامین بھی لکھے۔انھوں نے انشائی خدوخال میں جو تبدیلی اور انفرادیت پیدا کی اُس کے اثرات بعد میں آنے والے اہل قلم کے ذہنوں اور نثر پاروں پر دیکھے جا سکتے ہیں۔سر سید احمد خاں سے لے کر ڈاکٹر وزیر آغا کے ہم عصر لکھاریوں تک انشائیہ کسی اور رنگ اور روپ میں لکھا جاتا رہا تھا لیکن وزیر آغا کے اجتہادی قلم کی بدولت اس صنف کو نیا چہرہ میسر آیا ۔اسی لیے ڈاکٹر وزیر آغا اردو انشائیے کے موجد اور محرک تسلیم کیے جاتے ہیں۔وہ انشائیے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> انشائیہ اُس صنفِ نثر کا نام ہے جس میں انشائیہ نگار اُسلوب کی تازہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشیایا مظاہر کے مخفی مفاہیم کو کچھ اس طرح گرفت میں لیتا ہے کہ انسانی شعور اپنے مدار سے باہر آ کر ایک نئے مدار کو وجود میں لانے میں کامیاب ہوتا ہے۔گویا میں نے انشائیہ کے سلسلے میں تین باتوں کو ضروری قرار دیا۔پہلی یہ کہ انشائیہ کی زبان تخلیقی ہو۔دوسری یہ کہ انشائیہ معمولی یا پیش افتادہ شے،خیال یا مظہر کے غیر معمولی پہلو یا اُس کی نئی معنویت کا احساس دلائے ۔آخری یہ کہ ذہن کو بیدار کرے۔مراد یہ کہ شعور کی توسیع کا اہتمام کرے۔جب تک یہ تینوں باتیں یکجا نہ ہوں انشائیہ وجود میں نہیں آ سکتا۔[۱]

ڈاکٹر وزیر آغا نے انشائیے کی تکنیک،اس کے مزاج اور دیگر فنی لوازمات کے بیان کے ساتھ ساتھ تخلیقی سطح پر بھی اپنے قائم کردہ قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے انشائیے لکھ کر اس صنف کو لائق اعتبار بنا دیا۔ اُن کے درج ذیل چار انشائی مجموعے شائع ہوئے:

۱۔ خیال پارے (۱۹۶۱ء)

۲۔ چوری سے یاری تک (۱۹۶۶ء)

۳۔ دوسرا کنارہ (۱۹۸۲ء)

۴۔ سمندر اگر میرے اندر گرے (۱۹۸۹ء)

یہ چاروں مجموعے ۱۹۹۵ء میں پگڈنڈی سے روڈ رولر تک کے عنوان سے کلیات کی صورت میں شائع ہوئے۔پانچ سال کے دوران لکھے ہوئے مزید انشائیوں کے اضافے کے ساتھ ۲۰۱۰ء میں پگڈنڈی کے عنوان سے انشائیوں کی کلیات پھر سے شائع ہوئی۔

خیال پارے کے نام سے منظر عام پر آنے والا انشائیوں کا مجموعہ اُردو ادب میں جدید انشائیے کے

لیے مضبوط اساس ثابت ہوا۔ اس مجموعے میں کل چوبیس انشائیے شامل تھے۔ اس کا مقدمہ صلاح الدین احمد نے لکھا جب کہ کتاب کے شروع میں اور تقدیم کے بعد وزیر آغا نے ''انشائیہ کیا ہے'' کے عنوان سے اہم مضمون تحریر کیا جس میں اُنھوں نے انشائیے کے خدوخال اور اس کے نقوش کو اُجاگر کیا۔ اس کتاب میں شامل انشائیوں کے عنوانات کچھ یوں تھے: ''پگڈنڈی''، ''بہادری''، ''خاموشی''، ''چھکڑا''، ''آندھی''، ''ریلوے ٹائم ٹیبل''، ''بے ترتیبی''، ''کچھ علالت کی حمایت میں''، ''قطب مینار''، ''ڈبویا مجھ کو ہونے نے''، ''گرمی''، ''ٹریول لائسنس''، ''آگ تاپنا''، ''کچھ خوبصورتی کے بارے میں''، ''سست روی''، ''موڑ''، ''ریل کا سفر''، ''تنہائی''، ''دھند''، ''وہ''، ''آسیب''، ''لحاف'' اور ''اجنبی دیار میں''۔

اس تصنیف پر جہاں تحسین اور رد کا شور بلند ہوا وہاں مصنف سے نظریاتی اختلاف بھی کیا گیا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ خیال پارے کی اشاعت نے اس صنف کو اُردو ادب کے لکھاریوں اور قارئین کے لیے دلچسپی کی حامل صنف بنا دیا۔ اب انشائیہ محض الفاظ کے طوطے مینا اُڑانے یا گہری فلسفیانہ اور مقصدیت سے بھرپور تحریر کا نام نہیں تھا بلکہ اس میں لطافت اور تازگی کا عنصر پیدا ہو گیا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ خیال پارے نے انشائیے کو جدید طرزِ احساس اور نیا اُسلوب عطا کیا۔ اس کتاب میں شامل انشائیے جہاں اپنے اندر معانی اور مفاہیم کے سمندر رکھتے تھے وہاں زندگی کی سچائیوں کو ان کی تلخیوں سے الگ کر کے دیکھنے کا ایک زاویہ بھی بخشتے نظر آتے ہیں۔ وزیر آغا کے اس دلکش طرزِ بیان نے انشائیہ نگاری کو جدید دور میں داخل کر دیا اور اس حقیقت کو بھی آشکار کیا کہ انشائیہ ایک الگ صنف ہے۔ اسے نہ تو طنز و مزاح کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی سنجیدہ و فکری موضوعات پیش کرنے کا ذریعہ۔ انھوں نے ان انشائیوں کے ذریعے اُردو ادب میں جس نئے اُسلوب کو روشناس کروایا وہ بالکل نیا نہیں تو کم یاب ضرور تھا۔

خیال پارے کے باعث انشائیے میں آنے والی تخلیقی اور ارتقائی تبدیلیوں نے اپنا ایک حلقۂ اثر بنا لیا۔ جب ۱۹۶۶ء میں اُن کا دوسرا انشائی مجموعہ چوری سے یاری تک منظرِ عام پر آیا تو اس کے لیے فضا ہموار تھی۔ اس میں ۱۱۵ انشائیے: ''سیاح''، ''چھینا''، ''جہاں کوئی نہ ہو''، ''دیوار''، ''طوطا پالنا''، ''میری چالیسویں سالگرہ''، ''واپسی''، ''کچھ''، ''ضرب المثل کی مخالفت میں''، ''یہ معصوم لوگ''، ''کچھ رشتہ داروں کی شان میں''، ''درمیانہ درجہ''، ''بس اتنی سی بات ہے''، ''فٹ پاتھ'' اور ''کچھ قلم کے بارے میں'' شامل ہیں۔ عنوانات سے ہی

اندازہ ہو جاتا ہے کہ وزیر آغا نے اپنے نقطۂ نظر کو تخلیقی سطح پر کس انداز میں پیش کیا ہے۔ موضوعات میں یکسانیت نہیں بلکہ تنوع اور رنگا رنگی کا احساس ہوتا ہے۔

اُنھوں نے اپنا سفر یہیں ختم نہیں کیا بلکہ تیسرا انشائی مجموعہ دوسرا کنارا پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ انشائیہ نگاری ایک ایسا فن ہے جس میں موضوعات ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں اور انشائیہ نگار اُن کو الفاظ کا لباس پہنا کر ایک ترتیب سے روئے قرطاس پر سجاتا چلا جاتا ہے۔ اس مجموعے کی خاص بات موضوعات کا تنوع تھا جو زندگی کے ہر پہلو سے لیے گئے تھے۔ کائنات کی ہر چیز ان کی نظر میں سماتی اور تخلیقی روپ اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ اس مجموعے میں سترہ انشائیے شامل ہیں۔ "بارھواں کھلاڑی"، "حقہ پینا"، "معافی مانگنا"، "لاہور"، "کھڑکی"، "بسنت"، "ٹھنڈا برف ہاتھ"، "کچھ مسکراہٹ کے بارے میں"، "کتابوں کی معیت میں"، "اکلاپا اور تنہائی"، "میرا البم"، "اسم اور فعل"، "میرے بچپن کا دوست"، "ہجرت"، "چلنا"، "سائنسی علم"، "دریا وا اور ہینڈ بیگ" ان کے عنوانات ہیں۔ اس مجموعے کے بارے میں منور عثمانی نے لکھا ہے:

> دوسرا کنارا وزیر آغا کا تیسرا انشائی مجموعہ ہے۔ اس میں انشائیہ نگاری کی فکر، عمر اور جمالیات کی تیسری سطح ہمارے سامنے آتی ہے۔ یہ تیسری سطح بھی یک رُخی ہرگز نہیں ہے۔ اس کے تین جلی اور کئی خفی رُخ ہیں۔ پہلا رخ یہ ہے کہ فکر، احساس اور رویے میں آزادی و بے نیازی دو چند ہو گئی ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ انفرادیت کو بیرونی خطرے سے بچایا گیا ہے اور اجتماعیت سے کئی جہتوں میں ربط اور مکالمہ بڑھا ہے۔ تیسرا رخ یہ ہے کہ تخلیقی مسرت کی حامل انوکھی مسافتوں میں حیرت انگیز تواتر و تسلسل قائم رہا ہے۔[۲]

ہر تخلیق کار اپنی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کو اپنی تحریروں میں ضرور پیش کرتا ہے، اگر اس کے تجربات و مشاہدات شعوری طور پر اُس کی تحریر کا حصہ نہ بھی بن رہے ہوں تو لاشعوری طور پر یہ تحریر میں در آتے ہیں۔ جس تخلیق کار کے تجربات و مشاہدات جس قدر زیادہ ہوں گے اُس کی تحریر میں اُس قدر بوقلمونی ہو گی۔ وزیر آغا اپنے تجربات و مشاہدات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری ان کے تجربے میں شامل ہو جاتا ہے، یہی بڑے فنکار کی خوبی ہے کہ وہ اپنے بیان کردہ تجربے میں قاری کو شامل کر لیتا ہے اور ایک سطح پر اُسے قاری کا تجربہ بنا دیتا ہے۔ وزیر آغا نے اپنے انشائیے میں تجربات و مشاہدات کو اس قدر شامل رکھا کہ وہ ہمیں اپنے مزاج تک سے واقف ہونے کا موقع فراہم کر دیتے ہیں۔

> مجھے یہ سب دیواریں پسند ہیں۔ یہ دیواریں میری آوارہ خرامی اور بے راہ روی کی راہ میں سینہ تان کر کھڑی ہو گئی ہیں۔ ان دیواروں نے میری ذات کی حدود کو متعین کر دیا ہے۔[3]

ان کی متذکرہ بالا رائے ان کے انشائیہ ''دیوار'' سے پیش کی گئی ہے۔ اس انشائیے کے آغاز میں اپنی عادات اور معمولات اپنے قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں اور دیوار جیسی عمومی چیز جو ہر گھر میں ہوتی ہے کو اپنی شخصیت کے ساتھ وابستہ کر کے ان دیواروں میں سے کئی دروازے اور کھڑکیاں کھولتے ہیں جن سے جھانک جھانک کر قاری ان کے باطن میں دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ انشائیہ لکھتے ہوئے عمومی موضوعات میں اپنی شخصیت اور تجربات کو یوں شامل کر لیتے ہیں کہ قاری ان عمومی موضوعات میں وزیر آغا کی شخصیت کا پرتو دیکھنے لگتا ہے۔

وقت گذرنے کے ساتھ ایک خاص قسم کا طنزیہ لہجہ ان کے اسلوب میں شامل ہو گیا جو ان کی حساسیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وزیر آغا کے اس طنز میں بھی شگفتگی، نرمی اور ملائمت ہے وہ شائستگی اور تہذیب کا دامن کسی طور پر چھوڑتے نظر نہیں آتے اور ویسے بھی انشائیہ گہرے کاٹ دار طنز، غیر شائستگی اور عامیانہ انداز کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا۔ وزیر آغا اپنے انشائیوں میں مزاح اور شگفتگی کی فضا پیدا کرنے کے لیے تقابلی انداز بھی اختیار کرتے ہیں۔ مزاح پیدا کرنے کے لیے خوبصورت انداز میں چیزوں کے درمیان موازنہ کرتے ہیں اور اس حوالے سے انسانی رشتوں میں جذبات اور خلوص کے فقدان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ رشتہ داروں اور دوستوں سے تعلقات کی نوعیت کی عکاسی کرتے ہوئے دراصل وہ معاشرے کے کھوکھلے پن کی بات کر رہے ہیں جہاں انسان رشتے بھی جبراً نبھا رہا ہے اور دوستی بھی کسی نہ کسی مفاد اور مفاہمت کی بنیاد پر آگے بڑھاتا ہے۔

> خدا کی قدرت ہے کہ رشتہ دار تو آسمان سے نازل ہوتے ہیں لیکن دوست احباب زمین سے اُگتے ہیں۔ خدانخواستہ اس سے میری یہ مراد ہرگز نہیں کہ رشتہ دار معصومیت اور تقدس کے امین ہیں جب کہ دوست احباب خود غرضی اور مادہ پرستی کے علم بردار! خدا کی قدرت کا ذکر میں نے محض اس لیے کیا ہے کہ یہ میرے موقف کی حمایت کرتی ہے۔ میں کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ رشتہ دار اللہ میاں کی طرف سے عطا ہوتے ہیں اور آپ چاہیں یا نہ چاہیں وہ بزورِ شمشیر آپ سے اپنی رشتہ داری قائم رکھتے ہیں لیکن دوست احباب کے انتخاب میں اللہ قطعاً دخل نہیں دیتا۔[4]

ڈاکٹر وزیر آغا نے متنوع موضوعات پر انشا یئے لکھے ہیں ۔جس موضوع پر بھی لکھتے ہیں، ہر پہلو سے اس کا احاطہ کرتے ہیں اور موضوع سے متعلق نئے اور منفرد اسلوب سامنے لاتے ہیں ۔ان کا انشا ئیہ ان کے انفرادی تجربے اور ذاتی مشاہدے کا حامل ہوتا ہے مثلاً چیخنا میں ہنسی اور گریہ کے مختلف رنگ دکھاتے ہوئے چیخ کے نئے ،انوکھے اور منفرد زاویوں کو کس طرح اجاگر کیا ہے ۔

> ہنسی آسودگی کے احساس سے جنم لیتی ہے،گریہ ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے لیکن چیخ سرتا پا ایک احتجاج ہے ۔چیخنا کوئی آسان کام نہیں … ہنسی کو لیجیے ایک حقیر سے واقعے سے برانگیختہ ہو جاتی ہے ۔اس کی ڈور اکثر ایک معمولی سے مسخرے کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو اپنے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے پیدا کر دیتا ہے ۔کیسی شرم کی بات ہے ۔یہی حال گریہ کا ہے ذرا دل پر چوٹ لگی اور نین چھلک پڑے لیکن چیخ کسی معمولی تحریک سے وجود میں نہیں آتی ۔یہ تو صرف زندگی و موت کے سنگم پر نمودار ہوتی ہے ۔مجھے چیخ کی کھردری غنایت سے والہانہ پیار ہے۔[۵]

وزیر آغا کے ہاں موضوع کو نئے زاویے سے دیکھنے اور اس کے مخفی گوشوں میں جھانکنے کا رویہ بہت مضبوط ہے جس کی مثالیں اُن کے بہت سے انشائیوں سے دی جا سکتی ہیں ۔لیکن خصوصاً اُن کے انشا یئے ’’بے ترتیبی‘‘ کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ترتیب اور نظم وضبط کی تعریف تو سبھی کرتے ہیں مگر ’’بے ترتیبی‘‘ کے حسن کو صرف ایک انشا ئیہ نگار ہی محسوس اور بیان کر سکتا ہے ۔ان کا موقف یہ ہے کہ ترتیب اور توازن ایک جبر ہے اور یہ جبر میرے لیے ایک جال یا قید بن جاتا ہے ۔وہ بے ترتیبی اور عدم توازن کو اس لیے پسند کرتے ہیں کہ اس میں بناوٹ اور انجماد نہیں ہے بلکہ بے ترتیبی میں ایسی تحریک اور بے ساختگی ہے جو شخصیت کو اٹھان عطا کرتی ہے اور زندگی میں حسن پیدا کرتی ہے ۔

جب ہم وزیر آغا کی انشائی تحریروں کا بالا ستیعاب مطالعہ کرتے ہیں تو یہ نتیجہ فوری اخذ کر لیتے ہیں کہ اُن کے انشائیوں میں اُن کی ذات کا پرتو اور شخصیت کے مختلف پہلو بڑے واضح انداز میں وجود پاتے ہیں ۔ جہاں وہ اپنے انشا یئے کی تشکیل کے لیے خارجی دنیا سے مدد لیتے ہیں وہاں وہ اپنی ذات کو بھی اپنے انشا یئے کی صورت گری کے لیے استعمال میں لاتے ہیں، یوں اُن کا انشا ئیہ خارج اور داخل کی ترکیب سے مکمل ہوتا ہے ۔مگر خارج سے زیادہ باطن اُن کے انشا یئے میں پایا جاتا ہے ۔

انھوں نے اپنے خیالات کو دلکش پیرائے میں اختصار سے بیان کیا۔اُسلوب کی شگفتگی،عدم تکمیل کا احساس اور شخصی نقطۂ نظر اس انشائی مجموعے کا خاص پہلو ہے۔اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اس بات کی بھی وضاحت کردی کہ انشائیے کا موضوع کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن اس پہلو کو ضرور مدنظر رکھا جائے کہ اس میں انکشاف ذات یعنی انشائیہ نگار کی شخصیت کا داخلی اظہار ہو۔ایسا کرنے میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ہر موضوع کو انھوں نے اس رنگ اور انداز میں پیش کیا کہ قاری داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

موضوعات کے اعتبار سے وزیر آغا کے ہاں بڑا تنوع اور انفرادیت پائی جاتی ہے۔وہ اپنے انشائیوں کے لیے موضوعات کا انتخاب عام زندگی سے کرتے ہیں۔دراصل انشائیے کے لیے موضوع کا اہم و غیراہم یا ادبی وغیرادبی ہونا ضروری نہیں۔بلکہ انشائیہ نگار کسی بھی موضوع میں اپنے انداز تحریر اور اسلوب بیان سے دلکشی ورعنائی پیدا کرتا ہے۔ایک انشائیے کا عنوان ''کچھ قلم کے بارے میں'' ہے۔بظاہر یہ عنوان ادبی موضوع نہیں لگتا اور بادی النظر میں اسے دیکھ کر ذہن فوراً صرف لکھنے والے قلم ہی کی طرف جاتا ہے لیکن انشائیہ کا انداز بھی بھرپور ہے۔پھر موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے اپنے شخصی اور انفرادی تجربے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ دلچسپی کا عنصر پیدا ہوگیا ہے۔

وزیر آغا کے انشائیوں سے ایسے بہت سے ٹکڑے بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں جن میں انھوں نے زندگی کے مضحک پہلو دیکھنا اور اپنے قارئین کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔لیکن وہ زندگی کے ان مضحک، بے ڈول اور کھردرے پہلوؤں کو پیش کرتے ہوئے بھی دل آزاری کی صورت پیدا نہیں ہونے دیتے۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وزیر آغا اپنے انشائیوں میں تبسم زیرلب کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے لطیف اشارات سے اس طرح کام لیتے ہیں کہ ان کے انشائیوں میں موجود طنز بھی خوشگوار مزاح اور لطیف صورت اختیار کرلیتا ہے جو طبیعت پر گراں نہیں گذرتی۔مثلاً انھوں نے انشائیہ ''چھتنا'' میں ہلکا سا طنزیہ مگر مزاحیہ انداز اختیار کیا ہے۔لکھتے ہیں:

> لیکن اگر کسی وجہ سے مجھے ہنسی کو اس طرح درمعقولات کی اجازت دینی پڑے تو میں اسے زیادہ سے زیادہ ایک نکٹائی کے طور پر استعمال کرتا ہوں۔بعض افسروں سے بات کرتے ہوئے اس کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔اس وقت میں فوراً جیب سے نکٹائی نکال کے پہن لیتا ہوں اور تبسم میرے چہرے کے ساتھ اس وقت تک چپکا رہتا ہے جب تک یہ حضرات سامنے موجود رہتے ہیں۔[۲]

وزیر آغا کے انشائیے کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیں زندگی کے روشن پہلو دکھاتے ہیں۔ وہ رنج وغم، دکھ درد، مصیبت اور بیماری میں امید اور خوشی کے سامان تلاش کر لیتے ہیں۔ وہ ہمیں زندگی بسر کرنے کے فن سے روشناس کراتے ہیں۔ ان کے ہاں تندرستی اور صحت ہی میں خوشی کا راز نہیں بلکہ علالت میں بھی مسرت کے پہلو ملتے ہیں۔ بہادری ہی عظمت کی دلیل نہیں بزدلی میں بھی نیکی اور اخلاق کی قدریں ملتی ہیں۔ صرف خیال کا فرق ہے۔ ایک انشائیے بعنوان "بہادری" کی چند ایک سطریں ملاحظہ کریں جس میں بزدلی کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

> بہادری اور نادانی میں کوئی بڑی خلیج حائل نہیں، جرأت کی ہر مثال دراصل نادانی کی ایک مثال ہے۔ جذبہ جب منہ زور ہو جاتا ہے اور اس پر تہذیب وشعور کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے تو لوگ اسے بہادری کا نام دیتے ہیں۔ بہادری کی اس جذباتیت کے مقابلے میں کسی بھی بزدلانہ فعل کا جائزہ لیجیے آپ کو اس میں سکون وتحمل، بردباری اور فراست صاف طور سے جھلکتی ہوئی دکھائی دے گی۔[۷]

اپنے تخلیقی سفر کے چوتھے پڑاؤ سمندر اگر میرے اندر گرے میں وزیر آغا اپنے فن کی انتہا پر نظر آتے ہیں۔

وزیر آغا کے چار انشائی مجموعوں میں سو کے قریب انشائیے بنتے ہیں جن کا دورانیہ تخلیق کم وبیش پینتالیس سال کو محیط ہے۔ یہ مجموعے نہ صرف ان کے ارتقائی تخلیقی سفر کے غماز ہیں بلکہ اردو انشائیے کے فنی و اسلوبیاتی ارتقا کی کئی صورتیں بھی ان میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ خیال پارے کے انشائیوں میں موضوعات، جذبے کی روپہلی تہوں میں لپٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اسلوب میں مزاح اور طنز کی کیفیتیں شگفتگی سے پُر ہیں۔ اشیا کے ساتھ وزیر آغا کا رویہ، حیرت اور مسرت کا ہے۔ یعنی اشیا تحیر اور مسرت کے ساتھ ساتھ اپنی چکا چوند سے انھیں رنگ برنگ جذبوں سے ہم آہنگ کرتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر ان کے قریب جانے کی زبردست خواہش جنم لیتی ہے۔ یہ گویا مطالعۂ فطرت کا وہ زمانہ ہے جب اشیا اپنے خارجی وجود کے ساتھ اپنی پہچان کراتی ہیں۔ یہ چیزوں سے لپٹ جانے اور انھیں محسوساتی سطح پر دیکھنے کا زمانہ ہے۔ چوری سے یاری تک ایک پڑاؤ ہے جہاں لمحہ بھر کے لیے ٹھہر کر سفر کی ساری عطا کو سمیٹنے کی تصویر ابھرتی ہے۔ اس ساری عطا کو دیکھ کر سنجیدگی اور بردباری کی کیفیات ابھرنے لگتی ہیں۔ چنانچہ خیال پارے کی سیمابی کیفیت کے برعکس چوری سے

یاری تک میں ایک ٹھہراؤ محسوس ہوتا ہے۔خیال پارے سے سمندر اگر میرے اندر گرے تک وزیر آغا کی انشائیہ نگاری میں ایک واضح ارتقا محسوس کیا جا سکتا ہے۔اس سفر میں نہ صرف انھوں نے اپنے خیالات کو تخلیقی صورت میں پیش کیا بلکہ انشائیہ کے خدوخال واضح کرتے ہوئے ان تمام پہلوؤں کو نگاہ میں رکھا جو اس صنفِ ادب کے لیے تازہ کاری اور رعنائی میں اضافے کا باعث بن سکتے تھے۔ان کے انشائی سرمائے کو سامنے رکھتے ہوئے انشائیہ کے لیے بطور صنف یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ انشائیہ ایک ایسی صنفِ ادب ہے جسے دقیق بحثوں ، فلسفیانہ نوع کی علمی توجیہات اور تکنیکی باریک بینی جیسے عوامل سے سروکار نہیں ہوتا ۔اس کو خیالات کا تسلسل اور اس کے پیچھے فکری لہر کی ضرورت ہوتی ہے جس سے یہ باتوں باتوں میں نئی سے نئی دنیا ، نئے سے نئے امکانات جہاں کے در کھولتا چلا جاتا ہے ۔انشائیہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ انسان اور انسان کے تعلقات سے بحث کرتا ہے اور اس میں زندگی کے کئی پہلو شگفتہ اور ہلکے پھلکے انداز میں خود بخود منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں اور وزیر آغا کے انشائیے ،انشائیہ نگاری کی اس خصوصیت سے معمور ہیں۔

حوالہ جات

- * اسسٹنٹ پروفیسر ،شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
- ۱۔ لطیف ساحل، "ایک گفتگو وزیر آغا" اُردو زبان سرگودھا انشائیہ نمبر (۱۹۸۳ء)، ص۱۹۔
- ۲۔ منور عثمانی، "وزیر آغا کی انشائیہ نگاری" مشمولہ کاغذی پیرہن وزیر آغا نمبر (مئی، جون ۲۰۰۵ء)، ص۱۳۶۔
- ۳۔ وزیر آغا، "دیوار" مشمولہ پگڈنڈی سے روڈ رولر تک (سرگودھا: مکتبۂ دیان، جون ۱۹۹۵ء)، ص۱۵۲۔
- ۴۔ وزیر آغا، "کچھ رشتہ داروں کی شان میں"، ایضاً، ص۲۶۴۔
- ۵۔ وزیر آغا، "چھٹنا"، ایضاً، ص۲۱۸۔
- ۶۔ ایضاً۔
- ۷۔ وزیر آغا، "بہادری"، ایضاً، ص۶۷۔

مآخذ

آغا، وزیر۔ پگڈنڈی سے روڈ رولر تک ۔سرگودھا مکتبۂ دیان، جون ۱۹۹۵ء۔

ساحل، لطیف ۔"ایک گفتگو وزیر آغا" ۔ اُردو زبان سرگودھا انشائیہ نمبر (۱۹۸۳ء)۔

عثمانی، منور۔"وزیر آغا کی انشائیہ نگاری" ۔مشمولہ کاغذی پیرہن وزیر آغا نمبر (مئی، جون ۲۰۰۵ء)۔